فکر و نظر بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بے داغ ضمیر کی آواز

ضمیر سینہ کے اندر اس پوشیدہ قوت، احساسات کی بے چین روشنی اور مخفی آواز کا نام ہے جو انسان کے اندر ایک جج اور کانشنس کے طور پر کام کرتی رہتی ہے۔ اگر دوسرے عوارض کی وجہ سے یہ نوراتی ملکہ دھندلانے نہ پائے تو ایک نابینا انسان بھی اس کی روشنی میں اپنا سفرِ حیات جاری رکھ سکتا ہے۔ اور اس کی خلش، انسان کو سدا چوکنا کر رکھنے کے لیے کافی ہو سکتی ہے، بشرطیکہ یہ بیدار رہے۔

انسانی زندگی، بحرِ بے کنار ہے، انسان جس بھی میدان میں قدم رکھتا ہے، اس سلسلے کے معروف اور منکر، مفید اور مضر، صحیح اور غلط بجا اور بے جا کا ایک قدرتی احساس کروٹ لینے لگ جاتا ہے۔ اس باب میں جس قدر کسی کا قدم راسخ ہوتا ہے، اتنا ہی انسانی ضمیر کے آئینہ میں قدرتی واردات اور احساسات منعکس ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ الّا یہ کہ غیر فطری حجابات حائل ہونا شروع ہو جائیں اور ضمیر کا افق دھندلانے لگ جائے!

اسلامی سرزمین سے جو ضمیر ابھرتا ہے، وہ مخصوص تعامل، خاص فکر اور مخصوص معاشرہ کا حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی کسک بھی، خاص قسم کی خلش ہوتی ہے۔ جس کی تحریک پر انسانی قلب و نگاہ میں ایک تموج پیدا ہو جاتا ہے اور جتنی اس میں جان ہوتی ہے، اتنی ہی وہ انسان پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔ ناقص ہے تو ناقص، کامل ہے تو کامل۔

اسلامی ضمیر کی آبیاری اور جلا کیلئے کچھ ایسے عوامل کی طرف توجہ دلائی جا سکتی ہے جس کی وجہ سے یہ ضمیر کاروانِ حیات کے لیے "بانگِ درا" کا کام دینے کے قابل ہو جاتا ہے۔

کتاب و سُنّت۔ کتاب و سنت نے قافلۂ حیات کے لیے جو سنگِ میل نصب کیے ہیں، ان کا احترام بہرحال ملحوظ رکھا جائے کیونکہ قرآنی لیل و نہار اور نبوی شب و روز کے

حامل انسان پر باطنی روشنی کی اس قدر ارزانی ہو جاتی ہے کہ اسے "لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا" (اس کی رات بھی دن) کی حقیقتِ کبریٰ مشہود ہونے لگ جاتی ہے۔ اندھیرے چھٹ جاتے ہیں، قلب و نگاہ کے اغلاق کافور ہو جاتے ہیں، قدم قدم پر حقائق کی مشعلیں فروزاں محسوس ہونے لگتی ہیں، اور اس سے سود و زیاں کے اندیشوں کے چراغ جگمگا اٹھتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ (پ۲۷) - الحدید ع ۴

"مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ (تاکہ) خدا تم کو اپنی رحمت میں سے دوہرا حصہ دے اور تم کو ایسی روشنی عنایت کرے جس (کی روشنی) میں چلو اور تمہارے گناہ معاف فرمائے!"

یہ مشعلیں "نبوت ساز" نہیں ہوتیں اور نہ یہ کسی ادعائی منصب کے لیے سازگار تحریک کا کام دیتی ہے بلکہ یہ "بندۂ مومن" کے قلبی واردات، خطرات اور خلش کی طہارت اور قابلِ سماع صداؤں کا بیان ہے۔ جو صدقِ نیت کے باوجود کبھی غلط بھی ہو سکتی ہے۔ بے فائدہ اور غیر ضروری کام ۔ ضمیر کی عافیت کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو غیر ضروری امور کی چاکری سے دور رکھا جائے ورنہ اس کا دل ایک کباڑ خانہ بن جائے گا جس سے ضمیر کے ساتھ ساتھ دوسرے آوارہ سوداؤں کی آوازیں بھی بلند ہونا شروع ہو سکتی ہیں، اس لیے اب اصلی اور فصلی صداؤں میں امتیاز بھی باقی نہیں رہ سکے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ (ترمذی)

"انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بے مقصد کام چھوڑ دے۔"

انسان سراپا دولت ہے، اس کی توجہ، اس کے کام، اس کے اوقات اور لمحات سبھی بڑی چیزیں ہیں انہیں ضائع ہونے سے بچایا جائے، کیونکہ اس کے ضیاع سے دل کی موت واقع ہو سکتی ہے۔ جب مکان نہ رہا تو پھر مکین کیسے؟ کیونکہ ضمیر کا مسکن دل ہی تو ہے۔ اس لیے مناسب ہے کہ: خدا کے قرب و وصال کے حصول کے لیے اسے مصروف رکھنے کی کوشش کی جائے تاکہ زندگی کی راتیں روشن، دل میں امنگیں نورانی، قلب و دماغ "بیت اللہ" (اللہ کا گھر) احساسات و واردات ربانی مہمان کی حیثیت

سے سینہ میں جلوہ گر ہوں: حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (پ۲۱ - العنکبوت ع۷)

" اور جن لوگوں نے ہمارے واسطے محنت کی، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور سجھائیں گے یقین کیجیے: اللہ تعالیٰ اہل اخلاص بندوں کے ساتھ ہے۔"

ہدایت ایک وہ ہوتی ہے جو منزل سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ دوسری وہ ہوتی ہے جس سے منزل کی راہیں روشن ہو جاتی ہیں، جس کے بعد راہی شرح صدر اور طمانیت کے ساتھ اپنا سفرِ حیات جاری رکھ سکتا ہے، گھٹن اور انقباض کے امکانات گھٹ جاتے ہیں۔

احسان کا مفہوم یہ ہے کہ پورے وثوق سے رب کی معیت کے احساس کے ساتھ وہ اپنے رب کی غلامی کرتا ہے، ایک ایسا غلام ہو کر جیتا ہے جو اپنے مولا سے محبت بھی کرتا ہے اور اس کے قرب کا لالچ بھی رکھتا ہے۔

قَالَ: مَا الْاِحْسَانُ؟ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (بخاری سوال جبرائیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۲ ج۱)

عرض کی: حضور! احسان کیا شے ہے؟ فرمایا یہ کہ آپ خدا کی عبادت اور غلامی یوں کریں کہ تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر آپ کے لیے یہ (مقام) ممکن نہیں تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ ذاتِ پاک تو آپ کو دیکھ رہی ہے۔

یعنی جو لوگ مقامِ احسان پر فائز ہیں، حق تعالیٰ ان پر اپنی راہیں کھولتا چلا جاتا ہے۔ ضمیر کی مشعلیں اس پر روشن ہو جاتی ہیں، اس لیے زندگی کے اس خس و خاشاک سے بچ بچ کر چلنے کی سکت پا لیتا ہے جن سے سالک کے پاؤں زخمی ہو سکتے ہیں، قدم بے ساختہ ادھر کو اٹھتے ہیں۔ انسان کے شب و روز اور تعامل کا اس کے روحانی مستقبل اور دنیا کے دل پر گہرا اثر پڑتا ہے بلکہ دل کی پوری کھیتی اس کے اپنے لیل و نہار کا حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے جب کسی کا دل ان اقدارِ حیات سے آباد ہو جاتا ہے جن سے "من کی دنیا" آب و تاب پا لیتی ہے تو پھر قدرتی طور پر کتاب و سنت کی ہر آواز اسے اپنے دل کی آواز محسوس ہونے لگتی ہے اور پہلے جو عمل کوئی ایک آئینی

فریضہ کے طور پر بجا لاتا ہے، اب وہ اس کے دل کی پیاس بن جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا:

وَلَا یَزَالُ عَبْدِی یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا (بخاری)

"جب کوئی بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب چاہتا ہے تو میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں اور جب میں اسے اپنا حبیب بنا لیتا ہوں تو میں اس کی سماعت (شنوائی) بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی بصارت (دید) بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کام لیتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔"

مقصد یہ ہے کہ: وہ میرا بن جاتا ہے، میں اس کا، وہ جو بھی کام کرتا ہے میری خوشنودی کے لیے کرتا ہے اور میری مرضی اور منشا کے مطابق انجام دیتا ہے کیونکہ اب وہ میرا شناسا ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کا دل اسے بتا دیتا ہے کہ میں کس بات سے خوش ہوتا ہوں اور کس بات سے ناخوش! ۔۔۔ اس کے ضمیر کی ہر خلش، اب اس کے لیے "بانگ درا" بن جاتی ہے اور اس کا انقباض مومنانہ اندیشوں کی ایک بے چین ندا ثابت ہوتی ہے "تقویٰ" بھی دراصل مومنانہ ضمیر کی اسی خلش کا نام ہے ۔۔۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ:

اَلْاِثْمُ مَا حَاکَ فِیْ نَفْسِکَ (مسلم)

"گناہ وہ ہے جو آپ کے دل میں خلش پیدا کرے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ:

لَا یَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِیْقَۃَ التَّقْوٰی حَتّٰی یَدَعَ مَا حَاکَ فِی الصَّدْرِ (بخاری)

بندہ تقوے کی روح کو اس وقت تک نہیں پا سکے گا جب تک وہ اپنے ضمیر کی خلش کا احترام نہیں کرے گا۔

لوگ کچھ کہیں پروا نہ کریں، ایسے بندۂ مومن کے ضمیر کی خلش قابلِ احترام ہوتی ہے اس لیے

حضور نے فرمایا:

اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ (دارمی)

"اپنے دل سے استصواب کر لیجیے!"

پھر فرمایا:

وَاِنْ اَفْتَاكَ النَّاسُ وَاَفْتَوْكَ (دارمی)

"گو لوگ تجھے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ ہی کیوں نہ دیں۔"

مقصد یہ ہے کہ: لوگوں کی بھیڑ چال، اور غوغا کی پروا نہ کیجیے! آپ کے مومنانہ ضمیر کی جو صدا ہے، اور جس امر کے اختیار کرنے میں اسے اندیشہ لاحق اور بے اطمینانی کا سامنا ہے۔ اس کا بہر حال آپ کو احترام کرنا چاہیے۔

بلکہ یہی بات زندگی کے ہر شعبے میں ملحوظ رکھی جا سکتی ہے، بھیڑ چال کے تقاضے کچھ اور ہیں، مگر صاحب دل، اہل فن کی فنی حذاقت اور اس کی بے چینیوں کی تکمیل کچھ اور ہے قوم کے بہی خواہ، اور ایماندار مگر نباض سیاستدانوں کے ضمیر کی آواز کچھ کہتی ہے لیکن عوام کے عامیانہ تقاضوں اور خواہشات کی فرمائشیں کچھ اور چاہتی ہیں، اس لیے فرمایا کہ، ان کی پروا نہ کیجیے۔

"وَاِنْ اَفْتَاكَ النَّاسُ وَاَفْتَوْكَ" نے متداول اور مغربی طرز کی مروج جمہوریت اور عوام کی عامیانہ تنگ بندیوں کے پلے میں قومی زعما کو باندھنے کی ریت پر کاری ضرب لگائی ہے۔

بات اصل "ٹھیک" کی ہے۔ . . . .

. . . . شور کی نہیں ہے، تولنے کی ہے گننے کی نہیں ہے، بات سونار کی نہیں، ایک لوہار کی ہے، ہلا شیری کی نہیں اپنے اطمینان کی ہے۔ اس لیے جو لوگ "عوام عوام" اور ان کی "دلچسپیوں اور خواہشات" کی رٹ لگاتے ہیں وہ حقیقت پسندانہ بات نہیں کرتے، کیونکہ عوام کو رہنمائی مہیا کرنا ہے، لینا نہیں ہے۔ ہاں عوام کے حقوق اور ان کے مناسب مستقبل کی بات کرنا ضرور دانشمندی ہے مگر اپنے سیاسی اغراض کی تکمیل کے لیے ان کے حقوق کا واسطہ دینا، ایماندارانہ بات نہیں ہے۔

اسلام نے جس ضمیر کی آواز کی طرف توجہ دلائی ہے، وہ صرف وہ ہے جو اسلامی طرزِ حیات کا حاصل ہے، جس نے بے بس تنکے کی طرح اپنے آپ کو کتاب و سنت کی

موجوں کے حوالے کر رکھا ہے۔

یہ روشنی "قرآن و حدیث" کے سرمدی چراغوں کو بجھا کر روشن نہیں ہوتی بلکہ اس کی مشعلوں سے مستنیر رہتی ہے۔

یہ ضمیر "امارۃ الطریق" کا نام ہے۔ نبوت اور رسالت کی زمین نہیں ہے اور نہ کسی کم سواد اور بر خود غلط کی لن ترانیوں پر مبنی ہے۔

اس کا تعلق "تقلید" سے نہیں، بصیرت سے ہے، وہ لوگوں کی بھیڑ چال کا مرید نہیں ہے بلکہ وہ ان کی دیتما قوت، کا نام ہے۔

ضمیر کی آواز قابلِ احترام ضرور ہے لیکن اس کا بے خطا ہونا ضروری نہیں ہے بعض اوقات بعض داخلی اور خارجی حجابات کی وجہ سے یہ مشعلیں مدھم پڑ سکتی ہے۔

عبد الرحمٰن عاجز مالیر کوٹلوی

فائدہ کچھ بھی نہیں اب تری غوغائی کا

میرے آقا ہے یہ حال آپ کے شیدائی کا
مل گیا اس کو لقب دہر میں سودائی کا

تیری قدرت کے کمالات کا دیتا ہے پتہ
رنگ یہ، حُسن یہ ہر لالۂ صحرائی کا

زخمِ الفت ہی ہیں بیمار کو حاصل ہے سکوں
معجزہ ہے یہ فقط ان کی مسیحائی کا

رہبرو راہِ وفا دور ہے منزل تیری
چھوٹ جائے نہ کہیں ساتھ شکیبائی کا

خوبیاں اوروں کی آتی ہیں نظر ان کو عیوب
جن کے دل میں ہے جنوں اپنی خود آرائی کا

ایک مفلس ہوں، گنہگار ہوں، میں بے کس ہوں
فائدہ کیا تمھیں مجھ سے شناسائی کا

اہلِ حق ہمت و جرأت سے گزر جاتے ہیں
مرحلہ آتا ہے جب بادیہ پیمائی کا

جرم سے پہلے ہی انجام پہ رکھتی تھی نظر
فائدہ کچھ بھی نہیں اب تری غوغائی کا

رنج و غم، راحت و فرحت سے بدل جاتے ہیں
قوتِ ضبط ہو، یارا ہو شکیبائی کا

قصدِ نیکی ہی پہ اکرام و کرم کی بارش
ایک حیلہ ہے مری حوصلہ افزائی کا

خانۂ دل ہے، یہ عاجز ہے، محبت ہے تری
ہے اثاثہ یہی مولا ترے شیدائی کا

★